وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ (سورۂ آل عمران:۱۶۹)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیئے گئے انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

(۱۰ محرم الحرام کے اسرار، فضائل اور مصائب کا مستند، تاریخی و عالمانہ جائزہ)

فیضانِ شمسِ کربلا

(حیات، عبادات، اقوال اور شہادت کا مختصر مگر جامع رسالہ)

مؤلف:

محمد شمس الضحیٰ قادری

(ابن حضرت مولانا نثار احمد مصباحی)

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. (سورہ آلِ عمران، آیت:۱۶۹)

اور جولوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

(۱۰ محرم الحرام کے اسرار، فضائل اور مصائب کا مستند تاریخی و عالمانہ جائزہ)

فیضانِ شمسِ کربلا

(حیات، عبادات، اقوال اور شہادت کا مختصر مگر جامع رسالہ)

مؤلف:

محمد شمس الضحیٰ قادری

(ابن حضرت مولانا نثار احمد مصباحی)

جملہ حقوقِ اشاعت بحقِ مؤلف محفوظ ہیں

کتاب کا نام:	فیضان شمسِ کربلا
مؤلف:	محمد شمس الضحیٰ قادری (ابن حضرت مولانا نثار احمد مصباحی)
مقام:	بھاٹکول ضلع مئو یوپی
مقام تالیف:	جارڈن (اُردُن)
اشاعتِ اول:	۲۰۲۶ء
صفحات:	اکیس (۲۱)
تعداد:	سو (۱۰۰)
کمپوزنگ:	مؤلفِ کتاب
مبائل نمبر مؤلف:	۹۱۱۹۶۴۸۲۳۳۔ یوپی
قیمت:	فی سبیل اللہ (پی، ڈی، ایف)

(نوٹ)

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّھَادَۃَ أَعْلٰی مَرَاتِبِ الْأَبْرَارِ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، الَّذِی بَکٰی عَلٰی مُصَابِ سِبْطِہِ الْأَطْھَارِ، وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الْأَخْیَارِ، وَأَصْحَابِہِ الْبَرَرَۃِ الْأَخْیَارِ، الَّذِیْنَ بَذَلُوْا نُفُوْسَھُمْ فِی سَبِیْلِ إِعْلَاءِ کَلِمَۃِ الْجَبَّارِ۔

اَمَّا بَعْدُ!

خالقِ کائنات جلّ شانہٗ نے اس بزمِ گیتی کو حق و باطل کے معرکہ کارزار سے رونق بخشی، اور تاریخِ انسانی کا یہ تسلسل گواہ ہے کہ جب کبھی ضلالت و گمراہی کے تیرہ و تاریک بادلوں نے چرخِ اسلام پر محیط ہونے کی ناپاک جسارت کی، مشیتِ الٰہی نے نفوسِ قدسیہ کو اِحقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے مبعوث فرمایا۔ ان ہی نفوسِ قدسیہ میں سرِ فہرست، جگر گوشۂ بتول، راکبِ دوشِ رسول، سیدنا امام عالی مقام، ابوعبداللہ الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ گرامی ہے، جن کا اسوۂ حسنہ حریتِ فکر، پامردی، اور تسلیم و رضا کا وہ منارۂ نور ہے جس سے سفینۂ انسانیت تا قیامِ قیامت رہنمائی حاصل کرتا رہے گا۔

سانحۂ ارضِ کربلا محض ایک سیاسی قضیہ یا دو خاندانوں کے مابین حصولِ اقتدار کی آویزش کا نام نہیں، بلکہ یہ دینِ الٰہی کی اساس اور ملوکیتِ فاجرہ کے مابین ایک اصولی، اعتقادی اور تجدیدی معرکہ تھا۔ یزید بد عاقبت نے جب شریعتِ غراء کے مسلمہ قوانین کو پامال کر کے ملوکیت و استبداد کی بنیاد رکھنی چاہی، تو اس وقت ضرورت تھی ایک ایسی جلیل القدر ہستی کی،

جس کا اقرار یا انکار کفر وایمان کا معیار بن سکے۔ چنانچہ، نبیرۂ رسول ﷺ نے خلافتِ راشدہ کے منہج کی بقا اور شعائرِ اسلام کے تحفظ کے لیے اپنے خونِ پاک سے وہ لکیر کھینچ دی جو ابد الآباد تک ملوکیت اور خلافت کے مابین حدِ فاصل رہے گی۔

زیرِ نظر رسالہ "شہادتِ امامِ حسین رضی اللہ عنہ: حدیث اور تاریخ کے آئینے میں" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس مختصر مگر جامع تالیف میں سطحی حکایات اور ضعیف روایات سے دامن بچاتے ہوئے، کتبِ احادیثِ مبارکہ اور معتبر مستند تواریخ کی روشنی میں اِس المناک مگر سرفراز داستان کے حقائق کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ تالیف کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ قارئینِ کرام کے قلوب میں جہاں آلِ پاک کی سچی محبت مجسم ہو، وہاں تاریخِ اسلام کے اِس نازک ترین باب کا علمی، تحقیقی اور فکری شعور بھی بیدار ہو سکے۔

مولیٰ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیبِ لبیب ﷺ کے طفیل اِس ادنیٰ سی کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، اور اسے داعیانِ حق کے لیے مشعلِ راہ اور اِس راقمِ آثم کے لیے زادِ آخرت و ذریعہ نجات بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِينَ، وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الۡأَنۡبِيَاءِ وَالۡمُرۡسَلِينَ، شَفِيعِ الۡمُذۡنِبِينَ، سِرِّ الۡوُجُودِ، وَرَحۡمَةِ الۡمَعۡبُودِ، مُحَمَّدِ نِالۡمُصۡطَفَى، وَعَلَى آلِهِ الۡأَطۡهَارِ، وَأَصۡحَابِهِ الۡأَخۡيَارِ، الَّذِينَ بَذَلُوا نُفُوسَهُمۡ فِي سَبِيلِ إِعۡلَاءِ كَلِمَةِ اللّٰهِ، خُصُوصًا عَلَى سَيِّدِ الشُّهَدَاءِ، رَيۡحَانَةِ الرَّسُولِ، وَقُرَّةِ عَيۡنِ الۡبَتُولِ، سَيِّدِنَا وَمَوۡلَانَا الۡإِمَامِ أَبِي عَبۡدِ اللّٰهِ الۡحُسَيۡنِ، وَعَلَى أَوۡلَادِهِ وَأَنۡصَارِهِ الۡمَظۡلُومِينَ بِكَرۡبَلَاءَ۔ أَمَّا بَعۡدُ! فَقَدۡ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِي كِتَابِهِ الۡمَجِيدِ:مِنَ الۡمُؤۡمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيۡهِ ۰ فَمِنۡهُم مَّن قَضَىٰ نَحۡبَهُ وَمِنۡهُم مَّن يَنۡتَظِرُ ۰ وَمَا بَدَّلُوا تَبۡدِيلًا (سورہ الاحزاب:۲۳)

عشرۂ محرم الحرام اور بالخصوص یومِ عاشورہ (دسواں دن) تاریخِ انسانیت کا وہ لرزہ خیز، الم ناک اور بیک وقت حماسہ آفریں باب ہے، جہاں حق و باطل کا معرکہ صرف دو گروہوں کے مابین جنگ نہ تھا، بلکہ یہ بقائے دینِ مصطفوی اور استخلافِ شریعتِ محمدی کا عظیم ترین معرکہ تھا۔ معرکۂ کربلا کائنات کا وہ نقطۂ پرکار ہے جہاں صبر و تسلیم کی انتہا ہوئی اور قربانیِ خلیل کی اس باطنی تعبیر کو ظاہری وجود ملا، جس کے متعلق علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی مایہ ناز تصنیف سر الشہادتین میں رقمطراز ہیں کہ شہادتِ حسین اصل میں شہادتِ غایتیِ نبوتِ محمدی کا تکمیلی مہر ہے۔

باب اول

فضائلِ یومِ عاشورہ اور اس کے تکوینی اسرار و رموز

فصل اول: عاشورہ کی عظمت اور احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں اس کی فضیلت

علمائے امت اور محدثینِ عظام، جیسے صدر الافاضل علامہ نعیم الدین مراد آبادیؒ نے سوانح کربلا میں تصریح فرمائی ہے کہ محرم الحرام کا مہینہ ان چار حرمت والے مہینوں میں سے ہے جن کا ذکر قرآنِ مجید کی سورہ توبہ میں آیا ہے۔ اس مہینے میں دسویں تاریخ یعنی "عاشورہ" کو کائنات کی تکوین (تخلیق) اور تاریخِ انبیائے کرام میں ایک منفرد اور مافوق الفطرت عظمت حاصل ہے۔

صحیح بخاری و مسلم کی متواتر احادیث کے مطابق، جب سلطانِ دو جہاں، سرورِ کائنات ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے، تو آپ نے یہود کو ۱۰ محرم کا روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ دریافت فرمانے پر معلوم ہوا کہ یہ وہ مبارک دن ہے جس میں اللہ رب العزت نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات دی تھی اور فرعون کو دریا برد کیا تھا۔ اس پر سیدِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "نحن أحق بموسى منكم" (ہم تمہارے مقابلے میں موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حق دار ہیں)۔ چنانچہ حضور ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی اس کا حکم فرمایا۔

ترمذی شریف کی روایت کے مطابق، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ کی رحمت پر کامل گمان ہے کہ عاشورہ کا روزہ ایک سال قبل کے گناہِ صغیرہ کا کفارہ بن جاتا ہے۔

فصل دوم: دسویں محرم کے تکوینی واقعات اور اسرارِ قدرت

مستند تفسیری اور تاریخی روایات، بالخصوص علامہ شفیع احمد اکاڑویؒ کی شامِ کربلا اور علامہ سلامت اللہ کشفی کی تحریر الشہادتین کے نچوڑ کے مطابق، اس دن کو کائنات کے نظام میں ایک عظیم الٰہی شیڈول حاصل ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ:

۱۔ اسی دسویں محرم کو لوح و قلم کی تخلیق ہوئی۔

۲۔ اسی روز سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت سے ہمکنار ہوئی۔

۳۔ سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر آ کر طوفانِ نوح سے محفوظ ہوئی۔

۴۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو نارِ نمرود سے نجات ملی اور آگ گلزار بنی۔

۵۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کو قیدِ مصر سے مخلصی حاصل ہوئی اور وہ تختِ حکومت پر متمکن ہوئے۔

۶۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام کی بینائیِ چشم مراجعت کر آئی اور فراقِ یوسف ختم ہوا۔

۷۔ اور اسی ۱۰ محرم الحرام کو کائنات کا یہ ظاہری نظام لپیٹ دیا جائے گا، یعنی قیامت بھی اسی دن برپا ہوگی۔

ان تمام جلیل القدر واقعات کا ایک ہی دن رونما ہونا اس بات کا غماز ہے کہ یہ دن تجلیاتِ الٰہیہ کے نزول کا خاص مظہر ہے۔

باب دوم: ۱۰ محرم الحرام کو ایک صاحبِ ایمان کو کیا کرنا چاہیے؟ (معتبر احکام و وظائف)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور فقیہ ملت علامہ جلال الدین امجدی نے اپنی فتاویٰ اور کتب

(خطباتِ محرم) میں یومِ عاشورہ کے مسنون اعمال کی تفصیل بیان فرمائی ہے، جو ہرزہ سرائی اور بدعات سے پاک سچی احادیث پر مبنی ہیں:

۱۔ روزہ رکھنا: عاشورہ کا روزہ سنتِ مؤکدہ کے قریب ہے۔ تاہم، یہود کی مشابہت سے بچنے کے لیے شریعتِ مطہرہ کا حکم یہ ہے کہ دسویں محرم کے ساتھ ایک روزہ مزید ملایا جائے، یعنی یا تو ۹ اور ۱۰ محرم کا روزہ رکھا جائے یا ۱۰ اور ۱۱ محرم کا روزہ رکھا جائے۔

۲۔ اہل وعیال پر رزق کی فراخی (توسیعِ رزق): حدیثِ پاک میں آتا ہے، سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من وسع علی عیالہ یوم عاشوراء، وسع اللہ علیہ سائر سنتہ" (جس نے عاشورہ کے دن اپنے اہل وعیال پر کھانے پینے اور رزق میں فراخی و وسعت کی، اللہ پاک پورے سال اس کے رزق میں برکت و وسعت عطا فرمائے گا)۔ لہٰذا اس دن اچھا کھانا بنا کر لنگر کرنا اور غریبوں، مسکینوں اور اپنے بچوں کو کھلانا سلف صالحین کا مجرب طریقہ ہے۔

۳۔ ذکر واذکار اور ایصالِ ثواب: اس دن فضول رسومات، سینہ زنی یا نوحہ خوانی (جو کہ شرعاً حرام ہے) کے بجائے، خالص تعظیم کے ساتھ قرآنِ مجید کی تلاوت، درود شریف کی کثرت اور شہدائے کربلا بالخصوص امام عالی مقام کی بارگاہ میں نذرانۂ ایصالِ ثواب پیش کرنا چاہیے۔

بابِ سوم

سانحۂ کربلا کا پس منظر اور شبِ عاشور کا جلال و جمال

فصل اول: بیعتِ یزید سے انکار کا علمی و شرعی سبب

خطیبِ مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی اپنی تصنیف کربلا کا مسافر میں لکھتے ہیں کہ جب سن ۶۰ ہجری میں معاویہ بن ابی سفیان کے انتقال کے بعد دمشق کے تخت پر یزید متمکن ہوا، تو اس نے مدینہ منورہ کے گورنر ولید بن عتبہ کو خط لکھا کہ وہ امام حسین سے زبردستی بیعت لے۔

یزید کا کردار فاسقانہ، متجاہر بالفسق اور احکامِ شریعت کے سراسر منافی تھا۔ امام عالی مقام، جو نانا کے دین کے امین اور شریعت کے پاسبان تھے، انہوں نے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: "مثلی لا یبایع مثلہ" (مجھ جیسا اس جیسے فاسق کی بیعت کبھی نہیں کرسکتا)۔ اگر امام عالی مقام بیعت فرما لیتے، تو قیامت تک کے لیے ملوکیت، ظلم اور فسق کو شرعی جواز مل جاتا۔ لہذا، دین کو بچانے کے لیے آپ نے مدینہ چھوڑا، مکہ تشریف لائے اور پھر کوفیوں کے جرائد اور خطوط کی کثرت کے باعث، حجت تمام کرنے کے لیے عراق کی طرف روانہ ہوئے۔

نسبی تنازعات

ہاشمی اور اموی خاندانوں کی یہ تاریخ، ان کے درمیان نسل در نسل چلنے والے تنازعات، اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور یزید بدبخت تک پہنچنے والا شجرۂ نسب پوری تفصیل کے ساتھ درج ذیل ہے:

۱۔ جڑواں بچوں کی ولادت کا واقعہ اور قدیم ترین تنازع

حضورِ اکرم ﷺ، سیدنا امام حسین اور یزید، ان سب کے مشترکہ جدِ امجد حضرت عبد مناف ہیں۔ ان کے ہاں دو جڑواں بیٹے پیدا ہوئے تھے:

۱۔حضرت ہاشم (جن سے بنو ہاشم چلا)

۲۔عبد شمس (جن کا بیٹا امیہ تھا اور وہاں سے بنو امیہ چلا)

پہلی تلوار اور خون کا تنازع (قدیم روایت):

تاریخ کی کتب (جیسے علامہ ابنِ جریر طبری کی تاریخِ طبری) میں مذکور ہے کہ جب یہ دونوں جڑواں پیدا ہوئے، تو ان میں سے ایک کی انگلی دوسرے کی پیشانی سے جڑی ہوئی تھی۔ جب انہیں چھری یا تلوار سے کاٹ کر الگ کیا گیا، تو وہاں سے خون بہہ نکلا۔ اس وقت مکہ کے نجومیوں اور سیانوں نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ 'ان دونوں کی اولادوں کے درمیان ہمیشہ تلوار چلے گی اور خون بہے گا۔' یہ وہ پہلا نکتہ تھا جہاں سے ان دونوں نسلوں کی تقدیر الگ ہوگئی۔

۲۔جڑواں بھائیوں سے امام حسین اور یزید تک کا شجرۂ نسب

یہاں سے دونوں خاندان الگ ہوئے اور نسل در نسل چلتے ہوئے ایک طرف سیدنا امام حسینؓ اور دوسری طرف یزید تک پہنچے۔ نیچے دیے گئے نقشے سے آپ کو پورا سلسلہ بالکل واضح ہو جائے گا:

حَضرَت عَبدِ مَنَاف

¦

+-----------------------------------+

(جڑواں بھائی) ¦¦ (جڑواں بھائی)

حَضرَت ہَاشم ------------------------------- عَبدُ شَمس

¦¦

حَضرَت عَبدُ المُطَّلِب ------------------- اُمَیَّہ (بنو امیہ کا بانی)

||

حضرت عبدُ اللہ---------------------------حرب

||

حضور نبیِ اکرم ﷺ--------------------ابُو سُفیان

||

سیّدہ فاطمۃُ الزّہراء---------------مُعاویہ

||

سیّدُ نا امام حُسین---------------یزید

۳۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے مابین نسل در نسل تنازعات

ان دونوں خاندانوں میں شروع سے لے کر کربلا تک تین بڑے ادوار میں تنازعات چلے:

پہلا دور: مکہ کی سرداری کا تنازع (قبل از اسلام)

حضرت عبد مناف کے بعد مکہ کی سرداری، حاجیوں کو پانی پلانے (سقایہ) اور ان کی میزبانی (رفادہ) کا منصب حضرت ہاشم کو ملا۔ وہ نہایت سخی اور بااثر شخص تھے۔ عبد شمس کے بیٹے امیہ کو اپنے چچا ہاشم کی یہ مقبولیت ہضم نہ ہوئی، اس نے چچا کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن مکہ کے بڑوں نے امیہ کو مجرم قرار دے کر ۱۰ سال کے لیے شام جلاوطن کر دیا۔ یہاں سے بنو امیہ کے دل میں بنو ہاشم کے خلاف پہلی باقاعدہ دشمنی پیدا ہوئی۔

دوسرا دور: اعلانِ نبوت اور معرکے (ظہورِ اسلام)

جب ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اعلانِ نبوت فرمایا، تو بنو ہاشم (چاہے وہ ایمان لائے یا نہ لائے، جیسے ابو طالب) نے حضور ﷺ کا پورا ساتھ دیا اور شعبِ ابی طالب کی سختیاں جھیلیں۔ دوسری طرف، قریش اور بنو امیہ کی قیادت امیہ کے پوتے ابو سفیان کے ہاتھ میں تھی، جنہوں نے اسلام کا سب سے زیادہ مقابلہ کیا۔ غزوۂ بدر، غزوۂ احد، اور غزوۂ خندق میں بنو امیہ ہی نے لشکرِ کفار کی قیادت کی اور اسلام کو مٹانے کی کوشش کی، یہاں تک کہ فتحِ مکہ کے موقع پر ابو سفیان اور ان کا خاندان مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

تیسرا دور: خلافت اور سیاست کا دور (دورِ اسلامی)

حضور ﷺ کے وصال کے بعد، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ (جو خود بنو امیہ سے تھے) کی شہادت کے بعد حالات نے پلٹا کھایا۔ جب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم خلیفہ بنے، تو ابو سفیان کے بیٹے حضرت معاویہ (جو شام کے گورنر تھے) نے بعض اجتہادی اختلافات اور قصاصِ عثمان کے معاملے پر سیدنا علیؓ کی بیعت نہیں کی، جس کی وجہ سے مسلمانوں میں جنگِ صفین جیسے المناک معرکے ہوئے اور خلافت دو حصوں میں بٹ گئی۔

۴۔ کربلا کی شکل میں یزید کا آخری وار

جب سن ۶۰ ہجری میں حضرت معاویہ کا انتقال ہوا، تو انہوں نے خلافت کو "ملوکیت" (بادشاہت) میں بدلتے ہوئے اپنے بیٹے یزید کو تخت پر بٹھا دیا۔

یزید کے اندر وہی پرانی جاہلیت اور بنو امیہ کا وہ پرانا بغض کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا جو اسلام سے

پہلے ان کے آباؤ اجداد کے دلوں میں تھا۔ جب سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس فاسق و فاجر کی بیعت سے انکار کیا، تو یزید نے اِس سیاسی اور دینی اختلاف کو اِتنی وحشت اور درندگی کا رنگ دیا کہ دریائے فرات کا پانی بند کر کے رسول اللہ ﷺ کے پورے کنبے کو پیاسا ذبح کر دیا۔

تاریخ دان لکھتے ہیں کہ جب ۱۰ محرم کو امام حسین کا سرِ انور کٹ کر دمشق میں یزید کے دربار میں لایا گیا، تو اس بدبخت نے امام کے لبوں پر چھڑی مار کر کفر کے وہ اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ تھا:

"آج میں نے بدر کا بدلہ لے لیا! کاش میرے وہ آباؤ اجداد جو بدر میں مارے گئے تھے آج زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ میں نے احمد (ﷺ) کی آل سے کیسا بدلہ لیا ہے!"

الحاصل: حضرت عبد مناف کے ہاں پیدا ہونے والے ان دو جڑواں بچوں کا خون کا وہ قطرہ، نسل در نسل چلتا ہوا حق و باطل کا وہ معرکہ بن گیا جہاں بنو امیہ نے ملوکیت اور ظلم کا راستہ چنا، اور بنو ہاشم کے چشم و چراغ سیدنا امام حسینؓ نے اپنے نانا کے دین کی بقا کے لیے اپنی جان قربان کر کے حق کو قیامت تک کے لیے سربلند کر دیا۔

فصل دوم: کربلا کی تپتی ریت پر ورودِ مسعود

۲ محرم الحرام ۶۱ ہجری کو امام عالی مقام کا قافلۂ حق کربلا کی سرزمین پر پہنچا۔ جب آپ کے گھوڑے نے قدم روک لیے، تو آپ نے دریافت فرمایا: "اس زمین کا نام کیا ہے؟" عرب دانیال نے کہا: "اسے عقر بھی کہتے ہیں اور کربلا بھی۔" امام عالی مقام کی چشمِ مبارک نم ہو گئی، آپ نے فرمایا: "کرب و بلاء" (رنج اور مصیبت)۔ آپ نے فرمایا: "یہیں ہمارے اونٹ بیٹھیں

گے، یہیں ہمارا خون بہے گا، اور یہیں ہماری قبریں بنیں گی، میرے نانا ﷺ نے مجھے یہی خبر دی تھی"

۳ محرم سے عمر بن سعد کی قیادت میں ابنِ زیاد کے لشکریوں نے امام حسین کے قافلے کو گھیرے میں لے لیا۔ ۷ محرم الحرام کو کائنات کے سب سے بڑے ستم ظریفوں نے آلِ رسول ﷺ پر دریائے فرات کا پانی بند کر دیا۔ لختِ جگرِ فاطمہ، معصوم بچے، پردہ نشینِ اہل بیت ۳ دن تک پیاس کی شدت سے نڈھال رہے، مگر جرات کی جبیں پر ایک شکن تک نہ آئی۔

۹ محرم کی شام کو شمرِ ذی الجوشن نحسِ کائنات پروانۂ جنگ لے کر پہنچا اور عمر بن سعد کو حکم دیا کہ اب مہلت ختم، یا تو حسین بیعت کریں یا ان کا سر قلم کر دیا جائے۔ امام عالی مقام نے اپنے بھائی علمدارِ کربلا سیدنا عباس سے فرمایا: "بھائی! ان سے آج کی ایک رات مہلت لے لو، تاکہ میں اپنے رب کی شب بھر عبادت کر سکوں، کیونکہ میرا رب جانتا ہے کہ مجھے اس کی نماز، تلاوت اور دعا سے کتنی محبت ہے"۔

فصل سوم: شبِ عاشور کا جمالِ ایمانی

۱۰ محرم کی رات، جسے شبِ عاشور کہا جاتا ہے، کربلا کی تاریخ کا وہ انوکھا صفحہ ہے جہاں ایک طرف موت کا رقص تھا اور دوسری طرف عشقِ الٰہی کا نور۔ امام عالی مقام نے اپنی آل اور انصار کو جمع کیا اور چراغ گل کر کے فرمایا: "میں نے اپنے انصار سے زیادہ وفادار کسی کے انصار نہیں دیکھے۔ یہ اندھیری رات ہے، تم سب میرے خون کا پیچھا چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، یہ صرف میرے خون کے پیاسے ہیں"۔

مگر قربان جایئے علامہ حسن رضا خانؒ کے اس جملے پر جو انہوں نے آئینۂ قیامت میں لکھا ہے کہ حق کے پروانوں نے تڑپ کر عرض کیا: " آقا! اگر ہمیں ستر بار بھی قتل کیا جائے، ہماری لاشوں کو جلایا جائے اور راکھ ہوا میں اڑا دی جائے، تب بھی ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ ہم جئیں گے تو آپ کے ساتھ، مریں گے تو آپ کے قدموں میں"۔

پوری رات آلِ رسول کے خیموں سے ذکرِ الٰہی، تلاوتِ قرآن اور مناجات کی ایسی صدائیں آ رہی تھیں جیسے شہد کی مکھیوں کے بھنبھناہٹ کی آواز ہو۔ ایک طرف موت کھڑی تھی، اور دوسری طرف آلِ رسول جامِ شہادت پینے کے لیے بے تاب تھی

باب چہارم

مطلعِ عاشورا اور میدانِ کارزار کا جلال

فصل اول: ۱۰ محرم کی صبحِ صادق اور نمازِ فجر

علامہ حسنین رضا خان بریلوی اپنی مایہ ناز تصنیف دشتِ کربلا میں رقمطراز ہیں کہ جب ۱۰ محرم الحرام کی صبحِ صادق نمودار ہوئی، تو امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے پورے قافلے کو جمع فرمایا۔ پیاس کی شدت، خیموں میں بچوں کا بلکنا اور سامنے یزیدی لشکر کی تلواروں کی چمک تھی۔ اس مہیب منظر میں امام عالی مقام نے مؤذنِ کربلا، اپنے شبیہِ مصطفیٰ لختِ جگر حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: "بیٹا! اذان کہو۔"

جب حضرت علی اکبر کی آواز کربلا کے دشت میں گونجی، تو ایسا لگا جیسے خود مدینے کے منبر سے

لسانِ نبوت بول رہی ہو۔مخدراتِ عصمت اور اہل بیت کی مستورات خیموں میں رو پڑیں کہ آج نانا کی آواز اِس تپتے ہوئے صحرا میں گونج رہی ہے۔امام عالی مقام نے اپنے باوفا ۲۷ جاںنثاروں کے ساتھ نمازِ فجر ادا کی، جس میں دائیں بازو کی کمان حضرت زہیر بن قین کو، بائیں بازو کی کمان حضرت حبیب بن مظاہر کو اور قلبِ لشکر کا علمدار اپنے بھائی سیدنا عباس علمدار کو بنایا۔

فصل دوم: اتمامِ حجت اور امام عالی مقام کا خطبہ

رئیس القلم علامہ ارشد القادری نے نقشِ کربلا میں اس منظر کو یوں کھینچا ہے کہ جنگ شروع ہونے سے قبل، امام عالی مقام نے اپنے نانا ﷺ کا عمامہ مبارک سر پر سجایا، ذوالفقارِ حیدری کمر سے باندھی اور اونٹنی پر سوار ہو کر یزیدی لشکر کے سامنے تشریف لائے تا کہ ان پر حجت تمام کر سکیں۔آپ نے پکار کر فرمایا:

"اے لوگو! میرے حسب ونسب کو پہچانو کہ میں کون ہوں؟ کیا میں تمہارے نبی کا نواسا نہیں ہوں؟ کیا سید الشہداء حضرت امیر حمزہ اور جعفر طیار میرے بزرگ نہیں ہیں؟ کیا تم نے میرے نانا کا یہ فرمان نہیں سنا کہ 'حسن اور حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں'؟ اگر میں سچا ہوں تو میرا راستہ چھوڑ دو اور اگر تم مجھے گنہگار سمجھتے ہو تو بتاؤ میں نے تمہارا کون سا خون بہایا ہے یا کون سا مال لوٹا ہے؟"

یہ سن کر یزیدی لشکر پر سکتہ طاری ہو گیا، مگر ابنِ زیاد کے کارندوں نے شور مچانا شروع کر دیا تا کہ امام کی آواز لشکریوں کے کانوں تک نہ پہنچے۔امام عالی مقام نے اتمامِ حجت فرما کر اپنے

خیمے کی طرف مراجعت فرمائی۔

بابِ پنجم: جانثارانِ حق کی مظلومانہ وشجاعانہ شہادتیں

فصل اول: انصارِ حسین کی جرات ووفاداری

استاذِ زمن علامہ حسن رضا خان آئینۂ قیامت میں لکھتے ہیں کہ جیسے ہی عمر بن سعد نے ہوا میں تیر چلا کر جنگ کا آغاز کیا، یزیدی لشکر آلِ رسول پر ٹوٹ پڑا۔ کربلا کی مٹی گواہ ہے کہ امام حسین کے بوڑھے اور جوان انصار نے وفاداری کی وہ تاریخ رقم کی جس کی مثال کائنات کی کوئی ملوکیت نہیں دے سکتی۔

حضرت حبیب بن مظاہر، حضرت زہیر بن قین، حضرت مسلم بن عوسجہ جیسے جلیل القدر صحابہ اور تابعین نے تپتی ریت پر بھوکے پیاسے ہونے کے باوجود ہزاروں کے لشکر کو پسپا کر دیا۔ ایک ایک غازی جب میدان میں جاتا، تو سینکڑوں یزیدیوں کو جہنم واصل کرتا اور جب زخموں سے چور ہو کر گرتا، تو پکارتا: "آقا! اپنے غلام کا سلام قبول کیجئے اور گواہ رہیے کہ میں نے وفاداری کا حق ادا کر دیا۔" زوالِ آفتاب تک امام عالی مقام کے تمام انصار ایک ایک کر کے شہید ہو چکے تھے اور اب صرف اہل بیتِ رسول کی باری تھی۔

فصل دوم: آلِ فاطمہ کا نذرانۂ تسلیم ورضا

جب اہل بیت کے جوانوں کی باری آئی، تو سب سے پہلے حضرت عون ومحمد (سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے لختِ جگر) میدان میں آئے۔ ان معصوم شہزادوں نے ایسی جنگ لڑی کہ کوفہ کے بہادروں کے

پتے پانی ہوگئے۔ پھر حضرت قاسم بن حسن (امام حسن کے یتیم) میدان میں آئے، جن کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا، انہیں نہایت بزدلی سے چاروں طرف سے گھیر کر شہید کر دیا گیا۔
اب باری تھی شبیہِ مصطفیٰ حضرت علی اکبر کی، جن کی عمر محض ۱۸ سال تھی۔ جب انہوں نے رخصت چاہی، تو امام عالی مقام کا دل بیٹھ گیا۔ آپ نے انہیں میدانِ کارزار کی طرف الوداع کرتے ہوئے آسمان کی طرف منہ کر کے عرض کیا: "بارِ الٰہا! گواہ رہنا، میں اس جوان کو میدان میں بھیج رہا ہوں جو صورت، سیرت اور گفتگو میں تیرے نبی کے سب سے زیادہ مشابہ ہے۔" حضرت علی اکبر نے پیاس کی شدت کے باوجود صفوں کی صفیں الٹ دیں، یہاں تک کہ ایک ظالم نے پشت سے نیزہ مارا اور وہ زین سے زمین پر آ رہے۔ امام تڑپ کر دوڑے، جوان بیٹے کی لاش پر پہنچے، ان کے حلق سے نیزے کا پھل نکالا اور فرمایا: "بیٹا! تمہارے بعد دنیا پر خاک ہے"۔

فصل سوم: علمدارِ وفاداری کی پیاس اور شہادت

مؤرخِ عصر علامہ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی صاحب داستانِ کربلا میں رقمطراز ہیں کہ جب خیموں میں پیاسے بچوں کی الوداعی چیخیں حد سے بڑھ گئیں، تو سیدنا عباس علمدار کا جلال بیدار ہو گیا۔ وہ امام سے اجازت لے کر مشکیزہ اٹھا کر فرات کی طرف بڑھے۔ فرات پر ہزاروں کا پہرہ تھا، مگر عباس غازی حیدری للکار مارتے ہوئے دریا میں داخل ہو گئے۔
آپ نے مشکیزہ پانی سے بھرا۔ پیاس کا یہ عالم تھا کہ تین دن سے زبان سوکھی تھی، آپ نے چلو

میں پانی لیا، لیکن فوراً فرات کے پانی کو دریا میں پھینک دیا اور اپنے نفس سے مخاطب ہو کر فرمایا: "اے نفس! حسین اور ان کے معصوم بچے پیاسے ہوں اور تو پانی پی لے؟ یہ تیری غیرت کو گوارا نہیں ہو سکتا۔" آپ مشکیزہ لے کر خیموں کی طرف دوڑے، مگر ظالموں نے پشت سے حملہ کر کے پہلے دایاں بازو کاٹا، پھر بایاں بازو کاٹا۔ آپ نے مشکیزے کو دانتوں سے پکڑ لیا، یہاں تک کہ ایک تیر مشکیزے پر لگا اور سارا پانی بہہ گیا۔ سیدنا عباس گھوڑے سے گرے اور پکارا: "ادرکنی یا اخی" (اے میرے بھائی میری خبر لیجئے)۔ امام پہنچے تو عباس کی لاش پر بھائی کی کمر ٹوٹ گئی۔

بابِ ششم: علی اصغر کا نذرانہ اور امامِ مظلوم کی شہادتِ عظمیٰ

فصل دوم: مسافرِ کربلا کی تنہائی اور شش ماہہ علی اصغر کی شہادت

جب سب شہید ہو گئے، تو امامِ عالی مقام بالکل تنہا رہ گئے۔ آپ خیمے کے قریب آئے اور فرمایا: " کوئی ہے جو رسول کے اہل بیت کی حفاظت کرے؟" اس وقت سیدہ رباب نے چھ ماہ کے معصوم بچے علی اصغر کو امام کے ہاتھ میں دیا جو پیاس سے تڑپ رہا تھا اور اس کی زبان سوکھ کر کانٹا بن چکی تھی۔

امام عالی مقام معصوم بچے کو ہاتھوں پر اٹھا کر یزیدی لشکر کے سامنے لائے اور فرمایا: "اے لوگو! اگر تمہاری دشمنی مجھ سے ہے، تو اس معصوم بچے کا کیا قصور ہے؟ اسے ایک قطرہ پانی پلا دو، دیکھو یہ پیاس سے دم توڑ رہا ہے۔" رحم کرنے کے بجائے، شمر کے اشارے پر حرملہ بن کاہل اسدی نے ایک ایسا زہر آلود تین بھال والا تیر چلایا جو معصوم علی اصغر کی گردن کو چیرتا ہوا امام

عالی مقام کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ بچے نے امام کے ہاتھوں پر تڑپ کر دم توڑ دیا اور مسکرا دیا۔امام نے اس کا معصوم خون اپنے چہرے پر ملا اور فرمایا: "یا رب! یہ قربانی بھی تیرے دین کے لیے قبول فرما"۔

فصل دوم: ذبحِ عظیم اور شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ

اب کائنات کا وہ سب سے سیاہ اور دردناک لمحہ آ پہنچا جس کا ذکر علامہ غلام رسول نے سانحۂ کربلا میں کیا ہے۔ امام عالی مقام یکہ وتنہا ہزاروں کے نرغے میں آ گئے۔ آپ کے جسمِ مبارک پر تیروں، تلواروں اور نیزوں کے ۳۳ زخم اور ۳۴ تیروں کے نشانات تھے، مگر آپ کی جرات کا یہ عالم تھا کہ جس طرف ذوالفقار لے کر بڑھتے، یزیدی بکریوں کی طرح بھاگ کھڑے ہوتے۔

عصر کا وقت آ چکا تھا، امام عالی مقام کا جسمِ اطہر خون سے شرابور تھا۔آپ نے محسوس فرمایا کہ اب رب العزت کی بارگاہ میں سرخروئی کا وقت ہے۔ آپ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے اور سجدۂ خالق میں سر رکھ دیا۔آپ سجدے میں الٰہی مناجات میں مصروف تھے کہ شمرِ ذی الجوشن نحسِ کائنات آگے بڑھا اور اس نے آپ کی گردنِ مبارک پر خنجر چلانا شروع کیا۔

۱۰ محرم الحرام سن ۶۱ ہجری، جمعہ کے دن، عصر کے وقت، سجدے کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کے ریحانۂ جنت کا سرِ انور جسمِ اطہر سے جدا کر دیا گیا!

جیسے ہی سرِ انور کٹا، کائنات کا نظام لرز گیا، آفتاب کو گہن لگ گیا، آسمان سے سرخ آندھی اٹھی

اور دشتِ کربلا میں ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ یہ وہ لمحہ تھا جب زمین پر ذبحِ عظیم کی تعبیر مکمل ہوئی اور اسلام قیامت تک کے لیے زندہ وجاوید ہو گیا۔

باب ہفتم: رسالے کا اختتام اور حاصلِ کربلا

الحاصل! معرکۂ کربلا کوئی معمولی جنگ نہیں تھی، بلکہ یہ صبر و رضا کا وہ اعلیٰ مقام تھا جہاں امام عالی مقام نے اپنا سب کچھ لٹا کر شریعتِ مصطفوی کی عمارت کو اپنے خون سے سینچ کر ہمیشہ کے لیے مستحکم کر دیا۔ بقولِ شاعر مولانا محمد علی جوہر (رام پور یوپی۔ متوفی ۱۹۳۱ء لندن۔ مدفون بیت المقدس)

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اللہ رب العزت اپنے حبیبِ پاک ﷺ کے طفیل اور شہدائے کربلا کے تصدق سے ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے، ہمیں اسلاف اور اہل بیت کی سچی محبت اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

فرامین اور پسندیدہ عباداتِ شہیدِ اعظم

سرزمینِ کربلا پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والے سید الشہداء، جگر گوشۂ رسول، حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ گرامی جہاں شجاعت و پامردی کا استعارہ ہے، وہاں آپ علم و حکمت، تقویٰ و طہارت اور اسرارِ شریعت کے بحرِ بے کنار تھے۔ آپ کے ارشادات اور فرامین مسلمانوں کے لیے وہ اخلاقی اور اصلاحی منشور ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر معاشرے سے ظلم، منافقت اور اخلاقی پستی کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں ائمہ حدیث اور اربابِ سیر کی معتمد کتب سے امامِ عالی مقام کے چند مشہور و معروف فرامین اور آپ کا ذوقِ بندگی، اصلاحی تشریح کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے:

۱۔ موت اور ذلت کے مابین انتخاب:

ارشادِ گرامی: "اَلْمَوْتُ أَوْلَى مِنْ رُكُوبِ الْعَارِ، وَالْعَارُ أَوْلَى مِنْ دُخُولِ النَّارِ۔"

(المصدر: مقتل الحسین للخوارزمی/ابن عساکر)

ترجمہ: "ذلت کی زندگی اختیار کرنے سے موت بہتر ہے، اور ذلت کا بوجھ اٹھانا جہنم میں داخل ہونے سے بہتر ہے۔"

اصلاحی وضاحت: اس فرمانِ عالی شان میں امامِ عالی مقام نے حریتِ فکر اور مومنانہ غیرت کا درس دیا ہے۔ آپ نے واضح فرمایا کہ ایک سچے مومن کے لیے دنیا کی فانی زندگی اور اس کی عارضی آسائشیں اتنی اہم نہیں ہونی چاہئیں کہ وہ ان کے حصول کے لیے اپنے ایمان، ضمیر اور

عزتِ نفس کا سودا کر لے اور باطل کے سامنے سر جھکا کر ابدی جہنم کا حق دار بن جائے۔

۲۔ بندوں کی ضرورت اور اللہ کی نعمت:

ارشادِ گرامی: "إِنَّ حَوَائِجَ النَّاسِ إِلَيْكُمْ مِنْ نِعَمِ اللهِ عَلَيْكُمْ، فَلَا تَمَلُّوا النِّعَمَ."

(المصدر: الحلیۃ لأبی نعیم/ المعجم الکبیر للطبرانی)

ترجمہ: "بیشک لوگوں کا اپنی ضرورتوں کے لیے تمہاری طرف رجوع کرنا، تم پر اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، لہٰذا اس نعمت سے اکتا ؤ مت۔"

اصلاحی وضاحت: یہ فرمان ہمارے معاشرتی رویوں کی اصلاح کے لیے آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ امام فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں صاحبِ ثروت، صاحبِ اختیار یا صاحبِ علم بنایا ہے اور لوگ تمہارے پاس مدد کے لیے آتے ہیں، تو یہ تمہارا کمال نہیں بلکہ اللہ کا فضل ہے۔ سائل اور ضرورت مند سے بدتمیزی کرنا یا اکتا جانا اللہ کی نعمت کی ناشکری ہے، جس سے نعمت چھن جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

۳۔ سچے اور جھوٹے دین داروں کی پہچان:

ارشادِ گرامی: "النَّاسُ عَبِيدُ الدُّنْيَا، وَالدِّينُ لَعِقٌ عَلَى أَلْسِنَتِهِمْ، يَحُوطُونَهُ مَا دَرَّتْ مَعَايِشُهُمْ، فَإِذَا مُحِّصُوا بِالْبَلَاءِ قَلَّ الدَّيَّانُونَ۔"

(المصدر: تاریخ ابن عساکر/ بحار الانوار)

ترجمہ: "لوگ دنیا کے غلام ہیں، اور دین صرف ان کی زبانوں کا چسکا رہا ہے۔ جب تک ان کی

روزی روٹی دین کے نام پر چلتی رہتی ہے، وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں، لیکن جب آزمائش کی بھٹی میں ڈالے جاتے ہیں، تو دین دار بہت تھوڑے رہ جاتے ہیں۔"

اصلاحی وضاحت: اس فرمان میں امام نے منافقتِ عامہ کا پردہ چاک کیا ہے۔ زبان سے دین کا دعویٰ کرنا بہت آسان ہے، لیکن سچا دین دار وہ ہے جو آزمائش اور مشکل وقت میں بھی دین کے اصولوں پر قائم رہے۔ کربلا کا معرکہ اسی فلسفے کی عملی تصویر تھا جہاں دنیادار یزید کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور سچے دین دار آلِ رسول ﷺ کے ساتھ سرخرو ہوئے۔

۴۔ظالم اور جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق:

ارشادِ گرامی: "أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ رَأَى سُلْطَانًا جَائِرًا مُسْتَحِلًّا لِحُرُمِ اللهِ ...فَلَمْ يُغَيِّرْ عَلَيْهِ بِفِعْلٍ وَلَا قَوْلٍ، كَانَ حقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يُدْخِلَهُ مُدْخَلَهُ۔"

(المصدر: تاریخ الطبری/ الکامل لابن الاثیر)

ترجمہ: "اے لوگو! بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی ایسے جابر اور ظالم حکمران کو دیکھا جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کر رہا ہو ...اور پھر اس نے اپنے فعل یا قول سے اسے بدلنے کی کوشش نہ کی، تو اللہ پر حق ہے کہ وہ اس خاموش رہنے والے کو بھی اسی ظالم کے ٹھکانے (جہنم) میں داخل کرے۔"

اصلاحی وضاحت: یہ خطبہ امامِ عالی مقام نے مکہ سے روانگی کے وقت اتمامِ حجت کے طور پر دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظلم پر خاموشی اختیار کرنا اور برائی کو دیکھ کر مصلحت پسندی کا

مظاہرہ کرنا بذاتِ خود ایک بدترین گناہ ہے اور اسلامی شریعت مسلمانوں کو ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا مکلّف کرتی ہے۔

۵۔سخاوت اور بخل کا انجام:

ارشادِ گرامی: "مَنْ جَادَ سَادَ، وَمَنْ بَخِلَ رَذِلَ۔" (المصدر: کشف الغمہ/حلیۃ الاولیاء)

ترجمہ: "جس نے سخاوت کی وہ سردار بن گیا، اور جس نے بخل کیا وہ ذلیل ورسوا ہو گیا۔"

اصلاحی وضاحت: امامِ پاک نے اخلاقی برائیوں میں سے بخل کو سب سے رذیل صفت قرار دیا ہے۔ سخاوت انسان کو دنیا میں بھی ہر دلعزیز بناتی ہے اور آخرت میں بھی سرخروئی کا سبب ہے، جبکہ بخل انسان کو معاشرے کی نظروں میں گرا دیتا ہے۔

٦۔نماز سے بے پناہ محبت اور کثرتِ سجود:

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو نماز سے اس قدر عشق تھا کہ زندگی کے عام حالات ہوں یا میدانِ جنگ کا سخت ترین معرکہ، آپؓ کی نماز کبھی قضا نہ ہوئی۔ علامہ ابنِ اثیر اپنی معتبر کتاب "الکامل فی التاریخ" میں لکھتے ہیں کہ آپؓ کثرت سے روزے رکھنے والے اور کثرت سے نوافل ادا کرنے والے تھے۔ آپؓ کے فرزندِ ارجمند سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "کان یصلی فی الیوم واللیلۃ ألف رکعۃ" (یعنی آپ دن اور رات میں ایک ہزار رکعت نفل ادا فرمایا کرتے تھے)۔]عقد الفرید[اس ذوقِ نماز کی معراج ارضِ کربلا میں نظر آئی، جب ۹ محرم الحرام کو یزیدی لشکر نے حملے کا ارادہ کیا، تو امامِ عالی مقام نے اپنے بھائی

حضرت عباس سے فرمایا: "آج کی رات جنگ کو مؤخر کراؤ، تاکہ ہم اپنے رب کی نماز پڑھ سکیں، کیونکہ میرا رب جانتا ہے کہ مجھے نماز، تلاوتِ قرآن اور کثرتِ دعا و استغفار سے کتنی محبت ہے!" [الکامل فی التاریخ، ج ۳، ص ۴۱۵]

۷۔ تلاوتِ قرآنِ کریم کا شغف:

قرآنِ مجید اِسی خانوادے کے گھر میں نازل ہوا تھا، اس لیے قرآن کی تلاوت آپ کی روح کی غذا تھی۔ امامِ شمس الدین الذہبی اپنی شہرہ آفاق کتاب "سیر اعلام النبلاء" میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ رمضان المبارک کے مہینے میں کثرت سے قرآنِ مجید کا ختم فرمایا کرتے تھے اور عام دنوں میں بھی تلاوت آپ کا مستقل معمول تھا۔ [سیر أعلام النبلاء، ج ۴، ص ۴۱۰] تاریخ گواہ ہے کہ جب ۱۰ محرم کو آپ کا سرِ مبارک تن سے جدا کر کے نیزے پر چڑھا دیا گیا، تو اس وقت بھی کٹے ہوئے سرِ انور سے سورۂ کہف کی آیت: "أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا" کی تلاوت کی آواز سنی گئی۔ یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ جو وجود دنیا میں تلاوت کا خوگر ہو، شہادت کے بعد بھی قرآن اس کے لبوں سے جدا نہیں ہوتا۔

۸۔ کثرتِ دعا اور گریہ وزاری (مناجات):

بارگاہِ الٰہی میں عاجزی سے گریہ وزاری کرنا اور دعائیں مانگنا امامِ پاکؓ کا پسندیدہ ترین عمل تھا۔ امام ابونعیم اصبہانی "حلیۃ الاولیاء" میں نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا: "اے نواسۂ رسول! آپ اپنے رب سے اس قدر کیوں ڈرتے ہیں اور اتنی دعائیں کیوں

مانگتے ہیں؟" تو امامِ عالی مقام نے معرفت سے بھرپور جواب دیا: "لا يأمن يوم القيامة إلا من خاف الله في الدنيا" (یعنی قیامت کے دن صرف وہی شخص امن وسکون میں ہوگا جس نے دنیا میں اللہ کا خوف دل میں رکھا اور اس کے سامنے گریہ وزاری کی)۔[حلیۃ الأولیاء]

۹۔ کثرتِ استغفار اور توبہ کا معمول:

آپ معصومِ خطا خانوادے کے چشم و چراغ ہونے کے باوجود اللہ کی بارگاہ میں دن رات استغفار اپنا فرض سمجھتے تھے۔ شبِ عاشور جہاں پیاس کی شدت تھی، وہاں خیموں سے رات بھر اللہ کی تسبیح اور استغفار کی ایسی آوازیں آرہی تھیں جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ آپ کا یہ استغفار امت کی اصلاح اور تعلیم کے لیے تھا کہ انسان چاہے جتنے اعلیٰ مرتبے پر پہنچ جائے، وہ کبھی اپنے رب کی بندگی اور استغفار سے غافل نہ ہو۔

اصلاحی نکتہ:

آج کے مسلمانوں کے لیے اس میں یہ عظیم اصلاحی پیغام ہے کہ جو لوگ آلِ رسول ﷺ سے محبت کا دم بھرتے ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ امامِ عالی مقام کی ان پسندیدہ عبادات کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں۔ صرف نعروں یا رسومات تک محدود رہنے کے بجائے نمازِ پنجگانہ کی پابندی، تلاوتِ قرآن کا شوق، اور گناہوں سے استغفار ہی وہ حقیقی حسینی راستہ ہے جو انسان کو دنیا و آخرت میں سرخرو کرسکتا ہے۔

اختتامیہ

حاصلِ کلام یہ ہے کہ معرکۂ کربلا کائناتِ انسانی کا وہ منفرد اور بے نظیر المیہ ہے جس نے وقت کے دھارے کو موڑ دیا۔ دشتِ نینوا کی تپتی ریت پر سیدنا امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ نے جو قربانی پیش کی، وہ رہتی دنیا تک کے لیے مظلومیت کی فتح اور ظالم کی ابدی شکست کا اعلان بن گئی۔ یزیدِ بدبخت نے اپنی ظاہری قوت، کثیر لشکر اور جبر و اکراہ کے بل بوتے پر جس ملوکیت کا قصرِ امارت قائم کرنا چاہا تھا، وہ حسین ابنِ علی رضی اللہ عنہ کے سجدۂ آخریں کی ضربِ کاری سے تاش کے پتوں کی طرح بکھر گیا۔

آج اِس تحقیق کے اختتام پر جب ہم تاریخ کے اوراق کو پلٹتے ہیں، تو ہمیں دمشق کے محلات ویران اور کوفہ کے ایوان عبرت کا نشان بنے نظر آتے ہیں، جب کہ دوسری طرف خاکِ کربلا اِنقلابِ حق کا مرکز اور ذکرِ حسین کائنات کے جریدے پر ثبت نظر آتا ہے۔ بقولِ ڈاکٹر اقبال

برزمین کربلا بارید و رفت

لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

تا قیامت قطع استبداد کرد

موج خون او چمن ایجاد کرد

یہ رسالہ اس امر پر شاہدِ عادل ہے کہ محبت اہل بیتِ اطہار محض چند رسوم یا نوحہ خوانی کا نام نہیں، بلکہ ان کے افکار کی پیروی، ان کے لائے ہوئے نظامِ حق کی پاسداری، اور باطل

کے سامنے "لا" کہنے کی جراتِ رندانہ کا نام ہے۔ ائمہ حدیث اور اربابِ سیر نے جس تواتر اور صحت کے ساتھ فضائلِ حسین اور مصائبِ کربلا کو نقل فرمایا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے عقائد اور اعمال کو اسوۂ حسینی کے سانچے میں ڈھالیں۔

بارگاہِ رب العزت میں التجا ہے کہ وہ ہمیں آلِ مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا حقیقی نقشِ قدم پر چلنے والا بنائے، ہمارے دلوں کو بغض وعناد کی آلائشوں سے پاک فرمائے، اور روزِ محشر جب نفوسِ قدسیہ کے اعمال کا وزن ہو، تو ہمیں شہدائے کربلا کے خدام کی صف میں محشور فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ، سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ۔